غلام مصطفیٰ قاسمی

بھمبھور کی مسجد

اسلام میں مسجد کا تصور دوسرے مذاہب عالم کی طرح محدود نہیں ہے کہ صرف ایک معبد اور مکان عبادت کے لیے ہو جہاں عبادت کے علاوہ کوئی اور کام نہ کیا جائے۔ اور نہ اس معبد کے سوا دُوسری جگہ عبادت روا ہو۔ اسلام کے شارع علیہ السلام کا یہ ارشادِ گرامی کہ جعلت لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا میرے لیے روئے زمین کی پاک جگہ مسجد بنائی گئی، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امتِ محمدیؐ کے لیے خدا پاک کی خلق کی ہوئی پوری زمین کا ہر ایک حصہ مسجد ہے، سجدہ گاہ اور عبادت گاہ ہے جہاں خالقِ حقیقی کے آگے سربسجود ہوکر اس کی وحدانیت اور معبود ہونے کی شہادت زمین کے ہر ذرّہ ذرّہ اور چپہ چپہ سے پیش کی جاسکتی ہے۔

مکہ سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں دو مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ ایک مدینہ منورہ کی مسجدِ نبوی اور دوسری مسجد قبا۔ مسجد نبوی کی عمارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم اور آپؐ کے دو اولین خلفاء کے زمانے تک کچی تھی، جس میں کھجور کے درخت کی لکڑی کام میں لائی گئی تھی۔ تیسرے خلیفہ کے دور میں اس کی تعمیر پکی لکڑی سے کی گئی اور اس کو مضبوط بنایا گیا۔

مسجدِ نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یا اس کے بعد نہ صرف عبادت کے لئے کام آتی تھی بلکہ ایک دینی درسگاہ بھی تھا، جہاں صحابہ کرامؓ حضور اکرمؐ سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ مسجد کے ساتھ ایک مخصوص مکان تھا جس کو صفہ کہا جاتا تھا اور کچھ مساکین صحابہ کا وہ قیام گاہ بھی تھا۔ ان صحابۂ کرام نے اپنی زندگی کو قرآن و سنت کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے وقف کر دیا تھا۔

مسجدِ نبوی میں مسلمانوں کے قضایا بھی فیصل ہوتے تھے اور اگر باہر سے غیر مسلموں کے وفود آتے تھے تو ان سے بات چیت کے لئے بھی مسجد کو استعمال کیا جاتا تھا۔ اس لحاظ سے مدینہ منورہ کی اولین مسجد ایک ہی وقت میں عبادت گاہ بھی تھی تو درسگاہ بھی اور عدالت گاہ کے فرائض بھی اسی سے لیے جاتے تھے۔ بلکہ بسا اوقات قیدیوں کو بھی مسجد کے ستون سے باندھا جاتا تھا۔

برّصغیر میں اسلام کی اولین آمد خوش نصیب خطے **سندھ** میں ہوئی اور دیبل کے مفتوح ہونے کے بعد مسلمانوں کی آمد شروع ہوئی اور ساتھ ہی یہاں کی غیر مسلم آبادی میں بھی اسلام کی تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ وہ بھی حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے اور یہاں عبادت اور دینی تعلیم اور مسائل دین کے سمجھانے کے لئے مساجد کی تعمیر کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی اور مسجدیں بنی ہوں گی۔ جن میں سے اولین مسجد دیبل کی مسجد کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ مگر افسوس کہ دیبل کی خرابی کے بعد نہ تو اس شہر کے آثار ملتے ہیں اور نہ مساجد کا نام و نشان رہا۔

آثارِ قدیمہ کی جُستجو اور کھدائی کے بعد جو بھمبھور شہر کے کھنڈرات کا پتہ لگایا گیا خوش نصیبی سے ان کے کہنے کے مطابق وہاں ایک بڑی جامع مسجد کے آثار نظر آئے جو آج ہمارے بیان کا موضوع ہیں۔

میں نے تین بار بھمبھور کا معاینہ کیا ہے۔ ایک بار اس زمانے میں جب نئی نئی کُھدائی ہوئی تھی اور وہاں مُردوں کے کئی ڈھانچے خاک شدہ شیشوں کے غلافوں میں ڈھکے ہوئے پڑے تھے۔ بڑے غور سے ایک دوست افسر آثارِ قدیمہ کی رہنمائی میں

ان پرانے کھنڈرات اور آثار قدیمہ کو دیکھا اور جائزہ لیتا رہا۔ مجھے اس دور میں جس وسیع صحن کو مسجد بتایا گیا تھا اس کے دروازہ پر دو تین بت بھی پڑے ہوئے نظر آئے تھے جو ہو سکتا ہے کہ کسی قریبی عمارت سے وہاں لائے گئے ہوں۔ دوسری بار کچھ چند سال پہلے جانا ہوا تھا اور اس وقت وہ پہلی والی حالت نہ تھی، باقاعدہ میوزم بنایا گیا تھا اور کھنڈرات کو صاف ستھری حالت میں تبدیل شدہ دیکھا۔ تیسری بار سندھ پر عالمی مذاکرہ کے دوران مختلف ادباء اور محققین کے ساتھ چھ سات ماہ پہلے بھبھور کے معائنہ کا دل کھول کر موقعہ ملا اور اس مرتبہ دنیا کے مساجد پر تحقیق کرنے والے عظیم محقق پروفیسر چغتائی صاحب بھی ساتھ تھے اس لحاظ سے مسجد بھبھور پر خاص مذاکرات اور تحقیق سے مستفیذ ہونا پڑا پروفیسر چغتائی صاحب کے خیالات اور رائے کو بیان کرنے کا یہاں موقعہ نہیں ہے۔ مجھے جو خود دیکھنے میں آیا اور وہاں کے آثار قدیمہ کے ماہروں سے اس مسجد شریف کے متعلق جو تحقیق ہوئی وہ یہ ہے

قلعہ بھبھور کے اندر اہم ترین عمارت آثار قدیمہ والوں کو جو معلوم ہوئی وہ یہ جامع مسجد ہے اور یہ قدیم بستی کے وسط میں واقع ہے۔ دو کتبے جن پر تاریخ لگی ہوئی ہے اور جو اس عمارت میں ملے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند کی سب سے یہ قدیم مسجد ہے۔ یہ کم و بیش ایک مربع قطعہ زمین پر ایک سو بیس فیٹ ضرب ۱۲۲ پر بنائی گئی تھی اور اس کے چوگرد ایک مضبوط پتھر کی دیوار ہے جو تین سے چار فیٹ تک چوڑی ہے۔ اس میں سفید چونے کا پتھر استعمال کیا گیا۔ وسط میں ایک کھلا ہوا صحن ہے جو ۷۵ فیٹ ضرب ۵۸ فیٹ ہے اور اس کا فرش اینٹوں کا ہے۔ کھدائی کے کام سے پتہ لگایا گیا ہے کہ نیچے کی طرف چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں جن کا رقبہ ۱۱ ضرب نو (۹) کا ہے۔ مغرب کی طرف ایک وسیع نماز کا کمرہ ہے جس کی چھت ۳۳ ستونوں پر کھڑی معلوم ہوتی ہے اور یہ ستون تین صفوں میں ہیں ان ستونوں کی بنیاد نماز کے کمرے میں اور برانڈے میں اچھی حالت میں ہے۔ وہاں آثار قدیمہ والوں کو لکڑیوں کے جلے ہوئے نشان ملے تھے جس سے انہوں نے پتہ لگایا کہ یہ ستون درحقیقت نقش کئے ہوئے لکڑیوں کے تھے بعض پتھر کی اونچی بنیادوں میں بھی بھرائی کا کام ملا ہے۔ بڑے بڑے پتھروں کے ڈھیر مسجد میں استعمال کئے گئے ہیں اور وہ دیواروں اور ستونوں میں کام لائے گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ یہ کسی ایسی عمارت سے لائے گئے تھے جو مسلمانوں کے وقت سے پہلے کی تھی۔
مسجد کے اندر ایک چبوترہ ہے جو وضو کے لئے استعمال ہوتا تھا اور یہ شمال مشرق کے کونے میں ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری دور میں تیل کے چراغوں کا ایک بھنڈار بن گیا تھا کیوں کہ اس کے فرش پر اب بھی چراغوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ چبوترہ کے پاس پتھر کی بنی ہوئی ایک نالی ہے جو بظاہر وضو کے لئے استعمال ہوتی تھی یا بارش کے پانی کو بہانے کے لئے استعمال ہوتی تھی، اس نالی میں بہت سے وضو کے لوٹوں کے ٹکڑے بھی آثار قدیمہ والوں کو ملے ہیں۔
مسجد کے دو خاص دروازے تھے ایک مشرق کی طرف اور دوسرا شمال کی طرف، ایک چھوٹا دروازہ مغرب کی طرف تھا جو باہر کی طرف ایک زینہ تھا۔ مشرقی دروازہ اصلی دروازہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ بہت خراب اور خستہ حالت میں ملا ہے ۵½ فیٹ چوڑا ہے اور اس کے تین زینے ہیں۔ اس مسجد کے دروازے کے پاس اندر کی طرف کوفی خط میں کتبے کے ٹکڑے ملے ہیں شمالی دروازہ کی حالت اچھی ہے وہ سات فیٹ چوڑا ہے اور اس کو زینے لگے ہوئے تھے اندر کی طرف لکڑی کے دروازے کے چوکھٹ کے نشان ملے ہیں اور اس کی دہلیز کے نشان بھی ہیں جس میں لوہے کی مینخیں ہیں۔ دروازہ کے دونوں طرف پتھروں کی تختیاں ملی ہیں جن پر نقش و نگار تھے اور کتبے لکھے ہوئے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سامنے کی دیواریں لگے ہوئے ہوں گے۔ مغربی دیوار میں کوئی محراب نظر نہیں آئی اور مغربی دیوار شکستہ اور خستہ حالت میں ہے مسجد کے نقشہ سے پتہ چلتا ہے کہ جامع مسجد کوفہ یا واسط جو ۶۶۷ء یا ۶۷۲ء میں بنائی گئی تھی اس کے مشابہ ہے۔